سلسلہ فصل المقال

1

وحی متلو و غیر متلو
اور
انسان کا ادراکِ ذاتی

ڈاکٹر خضر یٰسین

سلسلۂ فصل المقال (۱)

وحی متلو و غیر متلو

اور

انسان کا ادراک ذاتی

ڈاکٹر خضر یٰسین

بسم اللہ العلیم الحکیم

وحی متلو و غیر متلو اور انسان کا ادراکِ ذاتی

انسان کا ادراک ذاتی جن ذرائع علم سے میسر آتا ہے وہ عقل، حواس، تجربہ اور فنی وجدان وغیرہ ہیں۔ یہ معمول کے ذرائع علم ہیں، ہر انسان کے پاس عملی تفاوت کے ساتھ موجود ہیں۔ ان ذرائع علم یا وسائل علم سے جو ''علم'' انسان کو میسر آتا ہے وہ انسانی استعداد کا زائیدہ علم یا ''انسانی علم'' ہے۔ ''وحی'' انسان کا معمولی یا غیر معمولی ذریعہ علم نہیں ہے، ایسا نہیں کہ ''وحی'' بطور ذریعہ علم بعض افراد انسانی میں معمولاً پایا جاتا ہو اور بعض میں نہ پایا جاتا ہو۔ ''وحی'' فضل خداوندی کی ایسی صورت ہے جس کا تعلق ذات خداوندی اور مشیتِ ایزدی سے بلاواسطہ ہے۔ انسان ''وحی'' کے استحقاق کا دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ حامل ہونے کا دعویدار ہو سکتا ہے ''الا ان یشاء اللہ''۔ انسان کی کوئی اہلیت وصلاحیت ''وحی'' کی مثل ہے اور نہ بدل ہے۔ ''وحی'' انسان کی کسی معمولی یا غیر معمولی استعداد کی نشو ونما یافتہ صورت کا نام نہیں ہے۔ ''وحی'' کے وسیلے سے حاصل ہونے والا ''علم'' انسان کی جس احتیاج کو پورا کرتا ہے وہ فقط اسی وسیلے سے حاصل ہونے والے علم سے پوری ہو سکتی ہے کسی دوسرے وسیلہ علمی کے حاصلات سے نہیں ہو سکتی۔ ''وحی'' کے وسیلے سے حاصل ہونے والا علم اصلاً ''علم اللہ'' ہے۔ ''علم اللہ'' انسان کو فقط اسی ذریعے سے میسر آتا ہے اور دوسرا کوئی ذریعہ علم وادراک ''علم اللہ'' تک رسائی کا باعث ہے اور نہ بن سکتا ہے۔ ''علم اللہ'' کے دستیاب ہونے کا وسیلہ نہ عقل ہے نہ حواس ہیں، نہ تجربہ ہے اور نہ فنی وجدان ہے۔ ''وحی'' اور فقط ''وحی'' کے وسیلے سے انسان ''علم اللہ'' سے سرفراز ہوتا ہے باقی تمام وسائل علمیہ ''انسانی علم'' کے کشف وفتوح کا مبدا ہیں۔

''وحی'' کے وسیلے سے انسان ''علم اللہ'' سے اسی طرح آگاہ وآشنا ہوتا ہے جیسے معمول کے وسائل علم

سے ''انسانی استعداد کے زائیدہ علم'' سے آگاہ و آشنا ہوتا ہے۔ جس علم کے حصول میں معمول کے قوائے علمیہ اپنا وظیفہ انجام دیتے ہیں وہ انسان کا ''ادراک ذاتی'' ہے اور جس علم کے ابلاغ میں ''وحی'' اپنا وظیفہ انجام دیتی ہے وہ انسان کا ادراک ذاتی نہیں ہے۔ ''علم اللہ'' اور ''انسانی علم'' کے مابین اولین فرق وامتیاز وسائل علم کے فرق وامتیاز سے مربوط ہے۔ وحی ''انسانی علم'' کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے اور معمول کے وسائل علم ''علم اللہ'' کے حصول کا ذریعہ نہیں ہیں۔ انسان کے ادراک ذاتی کی صحت کا معیار ''اشتراک فی العلم'' ہے، یعنی دوسرے انسان اس علم میں یکساں اشتراک کے حامل ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اور دوسرے انسان بھی اس علم کو اسی طرح اپنے شعور کا حصہ بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں جس طرح مدرک اول نے بنایا ہے۔ اگر اشتراک فی العلم میسر نہ آئے تو انسانی علم کی نسبت یہ خیال کرنا محال ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کا واقعی ادراک ہے۔ انسان کے جس فہم وادراک کو اشتراک فی العلم کی صفت سے موصوف نہ کیا جا سکے، وہ انفرادی خیال ہے، ماہرانہ رائے ہے، ضرورت علمیہ کے لیے مفروضہ ہے ''علم'' یقیناً نہیں ہے۔ انسان کے ادراک ذاتی میں خیال، رائے، مفروضے اور اندیشے کے معتبر ہونے کی بنیاد جو بھی فرض کی جائے ''علم'' کی زمین بہر صورت اور بہر حال ممتاز ہے، منفرد ہے، یکتا ہے، یگانہ ہے۔ ''انسانی علم'' کے معتبر ہونے کا ایک اور اہم و ناگزیر معیار ''معلوم'' سے اس علم کی مطابقت ہے۔ انسان کا ادراک ذاتی جس بنیاد پر قائم ہے وہ اس کے حصول وتحقق میں معمول کے قوائے علمیہ کا فعال ہونا ہے۔ ''وحی'' انسان کے قوائے علمیہ میں سے کسی معمولی یا غیر معمولی قوت کا نام نہیں ہے۔ ''وحی'' کے وسیلے سے حاصل ہونے والا ''علم'' انسان کا ادراک ذاتی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی صحت کا معیار ان اصولوں سے منسلک ہے جو ''انسانی علم'' کی صحت کا معیار متصور ہوتے ہیں۔ ''وحی شدہ'' علم بس اس بنیاد پر درست اور حق ہے کہ وہ ''وحی'' کے وسیلے سے انسان تک پہنچا ہے۔

''وحی'' کی دونوں صورتیں ''متلو'' اور ''غیر متلو'' یا کتاب وسنت پیغمبر علیہ السلام کا ادراک ذاتی نہیں ہیں۔ دونوں ''منزل من اللہ'' ہیں، دونوں ''علم اللہ'' ہیں۔ فقط اتنا نہیں کہ ''وحی'' کی یہ دونوں صورتیں نبی علیہ السلام کا ادراک ذاتی نہیں بلکہ ان دونوں صورتوں سے حاصل ہونے والے ''علم'' میں پیغمبر علیہ السلام کے ادراک ذاتی کو ادنیٰ ترین درجے کا دخل بھی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام

ایسا نہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ اپنے ادراک ذاتی کو منزل من اللہ وحی قرار دے دیں یا اپنے ادراک ذاتی کی بنیاد پر منزل من اللہ وحی میں ادنیٰ ترین درجے کی ترمیم یا اضافہ کر سکیں۔ ''علم بالوحی'' کسی سطح پر بھی عقل انسانی کی تنقید و تحسین، تلخیص و تفصیل اور تجزیہ و تحلیل کا متحمل نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عقل انسانی اس حیثیت کا کبھی حامل نہیں بن سکتا کہ وہ ''علم اللہ'' کو اپنے مدرکات کا خام مواد بنا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی خاص حفاظت کے ذریعے سے ان تمام امور سے محفوظ و مامون فرما رکھا ہے۔ ''وحی'' کے وسیلے سے حاصل ہونے والے ''علم'' کی نسبت پیغمبر علیہ السلام کا شعور ادنیٰ ترین سہو و نسیان سے ہی محفوظ نہیں بلکہ منزل من اللہ علم کے ''منزل من اللہ'' ہونے کا شعوری یقین ہمہ وقت آپ ﷺ کے قلب میں فعال رہتا ہے۔ آپ ﷺ ''وحی شدہ علم'' اور ادراک ذاتی کے مابین فرق و امتیاز کے شعور سے کسی ایک لمحے میں بھی خالی نہیں ہوتے اور ''وحی'' میں غیر وحی کی مداخلت سے مکمل طور پر محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ آپ ﷺ کا ادراک ذاتی ''علم بالوحی'' سے خلط ملط ہو سکے یا آپ ﷺ شعوری یا غیر شعوری طور پر غیر وحی کو ''وحی'' اور وحی کو ''غیر وحی'' فرض کرنے لگیں۔ اسی طرح ''رسالات من اللہ'' کے ابلاغ میں ادنیٰ ترین کمی و کوتاہی یا ترمیم و اضافے کا امکان بھی نہیں ہے۔ الوہی رسالات کی تبلیغ و ترسیل الوہی نگرانی میں انجام دی جاتی ہے لہٰذا ہر قسم کی نفسی، نفسانی، نفسیاتی اور شیطانی مداخلت سے کاملاً محفوظ و مامون ہے۔

''وحی'' کی متلو و غیر متلو یا کتاب و سنت دونوں صورتوں میں جو فرق و امتیاز برقرار رکھا گیا ہے وہ غیر اہم نہیں ہے۔ وحی غیر متلو کو متلو میں اور وحی متلو کو وحی غیر متلو میں شامل نہیں کیا جا سکتا باوجودیکہ دونوں منزل من اللہ ہیں اور دونوں میں آپ ﷺ کے ادراک ذاتی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ تنزیلاتِ ربانی کی ان دونوں انواع میں فرق کا شعور محو ہو جائے تو دین کا پورا وجود ناقابل عمل اور ناقابل فہم بن کر رہ جائے۔ ''علم بالوحی'' جس طرح سے آپ ﷺ کا ادراک ذاتی نہیں بالکل اسی طرح آپ ﷺ کا ادراک ذاتی ''علم بالوحی'' نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے ادراک ذاتی کو تنزیلاتِ ربانیہ سے اور تنزیلاتِ ربانیہ میں وحی متلو کو وحی غیر متلو سے ممتاز کرنا ناگزیر دینی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کا ادراک ذاتی وحی خداوندی متصور ہونے لگے تو دین کا وجود اور عدم ایک ہو جائے اس لیے کہ یہ دین کا ایک ایسا تصور ہوگا جس کی اجازت

پیغمبر علیہ السلام نے نہ دی ہے اور نہ دے سکتے ہیں۔ جن مسلم مفکرین کا خیال ہے کہ احادیث نبویہ ''وحی غیر متلو'' ہیں ان کے نزدیک پیغمبر ﷺ کا ادراکِ ذاتی سرے سے فعال ہی نہیں تھا اور جن دانشوروں کا خیال ہے کہ ''وحی غیر متلو'' سرے سے کسی شے کا نام نہیں ہے ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور شہادتین وغیرہ ایسے دینی معاملات ہیں جن کی تعیلی ہیئت کا تعین پیغمبر علیہ السلام نے اپنے ادراک ذاتی سے کیا ہے لہذا انہیں علیٰ حالہ قائم و برقرار رکھنے پر اصرار کرنا غیر ضروری ہے۔ مذکورہ دونوں مواقف کا افراط وتفریط بالکل عیاں ہے۔ احادیث کے ادب کو ''وحی غیر متلو'' خیال کرنے والے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ ''وحی'' کی وہ نوع جو غیر متلو کہلاتی ہے فی الاصل ''عمل'' ہے، سنت ہے، وہ ''ادب'' کبھی نہیں بن سکتی، جو کچھ مکتوب ہے وہ غیر متلو کبھی نہیں ہوسکتا اور جو غیر متلو ہے وہ مکتوب کبھی نہیں ہوسکتا۔ کتب احادیث وحی غیر متلو کیسے بن سکتی ہیں؟ تاریخ میں اور ''وحی'' میں بہت بڑا فرق ہے۔ تاریخ، انسانی استعداد کا زائیدہ علم ہے اور وحی منزل من اللہ ہے۔ ''وحی'' کے ذریعے سے انسان کو ''علم اللہ'' میسر آتا ہے اور تاریخ سے ''علم اللہ'' میسر نہیں آتا، تاریخ انسانی علم ہے جو کسی طرح ''علم اللہ'' کے زمرے میں نہیں آتا۔ نماز اور دیگر امور دینیہ کی ہیئت کذائیہ کو وحی غیر متلو کے بجائے پیغمبر علیہ السلام کا ادراک ذاتی فرض کرنے والے یہ سمجھنے کو تیار ہی نظر نہیں آتے کہ حکم کی طلب کا تعین مخاطب حکم کی ذمہ داری نہیں ہے اور دوسری اہم بات جس کی طرف ان حضرات کا شعور متوجہ نہیں ہوتا وہ یہ ہے کہ دین انسانی ادراک کا نام نہیں بلکہ کاملاً منزل من اللہ ہے۔

''دین'' پیغمبر علیہ السلام کے ذاتی ادراک پر مبنی ہونے کے بجائے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی ''وحی'' پر موقوف ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ غیر وحی کو ''وحی'' یا وحی کو ''غیر وحی'' بنا کر پیش کریں، یعنی آپ ﷺ کبھی اپنے ادراک ذاتی کو ''وحی'' یا ''دین'' بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ ''دین'' کی کل کائنات جس ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے وہ منزل من اللہ ہونا یعنی ''علم اللہ'' ہونا اور انسان کا ادراک ذاتی یا ''انسانی علم'' نہ ہونا ہے۔ انسان کے ادراک ذاتی سے میسر آنے والے علم کو ''دین'' بنا لینا یا ''دین'' سے تعبیر کرنا افتراء علی اللہ کذباً ہے، اسی طرح غیر وحی کو ''وحی'' بنا لینا یا فرض کر لینا بھی اسی زمرے میں شامل ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے ادراک ذاتی کو معطل فرض کرنے والے دراصل قرآن مجید

سے حاصل ہونے والے ''علم بالوحی'' کو ان جبلی داعیات کی سطح پر لا کھڑا کرتے ہیں جو ارادی اعمال کے بجائے فطری اعمال کا مظہر ہوتے ہیں۔ انسان کے وجودی منصب کے پیش نظر جس نوع کی الوہی ہدایت اسے وحی کے وسیلے سے عطا کی گئی ہے وہ ارادی اعمال کا موضوع ہے نہ کہ غیر ارادی اور فطری تقاضوں پر مشتمل ہے۔

احادیث نبویہ پر مشتمل کتب کو فقط اسی صورت میں ''وحی غیر متلو'' فرض کیا جا سکتا ہے جب یہ قبول کر لیا جائے کہ پیغمبر علیہ السلام کا ادراک ذاتی ہمہ وقت تعطل کی کیفیت میں رہا ہے۔ ''وحی'' کے ورود و نزول کے دوران میں انسان کے معمول کے قوائے مدرکہ کا تعطل یقینی ہے لیکن اگر پیغمبر علیہ السلام کا قول، فعل اور تقریر منزل من اللہ وحی ہے تو یہ امر طے ہے کہ نہ صرف آپ ﷺ کا ادراک ذاتی یا انسانی ادراک سرے سے کام ہی نہیں کرتا تھا بلکہ آپ ﷺ کے اعمال معاذ اللہ ارادی نہیں، اضطراری یا فطری اور جبلی تھے۔ اسی طرح تقریری احادیث کی نسبت منزل من اللہ وحی کی طرف کرنا ایک ایسا تصور ہے جس سے آپ ﷺ کی انسانی یا ذاتی پسند و ناپسند بھی کاملاً معطل ہو جاتی ہے۔ اگر آپ ﷺ کے شعور کے تینوں اعمال یعنی جذبہ، ارادہ اور ادراک بشریت و انسانیت کے آئینہ دار نہیں ہیں بلکہ الوہی مظاہر یا الوہیت کے آئینہ دار ہیں تو آپ ﷺ انسان کے لیے ''اسوۃ'' کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اگر آپ ﷺ کا جذبہ، ارادہ اور ادراک انسانی محرکات سے کاملاً عاری اور وحی الٰہی کے تحت فعال ہیں تو آپ ﷺ کے بشر اور انسان ہونے پر ''کلام اللہ'' کا اس قدر شدید اصرار آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ مذہبی ذہن کی فقہ پرستی قانونی مشکلات کا حل تلاش کرنے کے ذوق میں اس قدر آگے بڑھ چکی ہے کہ اسے پیچھے مڑ کر دیکھنے کا یارا بھی نہیں ہے۔ اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کا تصور مذہبی ذہن کی ایسی اختراع ہے جس کی تکمیل کی ذمہ داری بھی خود اس کے اپنے کندھوں پر ہے۔ مکمل ضابطہ حیات ثابت کرنے کی ذمہ داری کو نبھانے کے لیے مذہبی ذہن دین کی بنیاد یعنی ''وحی'' اور غیر وحی کے فرق و امتیاز کو قربان کر دینے کے لیے فقط تیار ہی نہیں بلکہ اسے شعار دین سمجھ کر انجام دے رہا ہے۔ اگر یہ امر طے ہے اور یقیناً طے ہے کہ ''دین'' منزل من اللہ ہے اور انسان کے ادراکِ ذاتی یا انسانی غور و فکر سے وجود میں نہیں آیا یعنی ''علم بالوحی'' کی نسبت یہ امر مسلم ہے کہ وہ انسان کے قوائے علمیہ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہب محض اور فضل و عطائے الٰہی ہے جو وہ اپنے ایک بندے پر

فرشتے کے ذریعے سے نازل فرماتا ہے نیز ''دین'' انسان کے ادراکِ ذاتی کا نتیجہ نہیں ہے۔تو ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ''دین'' اور ''تصورِ دین'' کے مابین مذہبی ذہن کا موجودہ خلا ''وحی'' اور ''غیر وحی'' میں فرق کا شعور پوری طرح عیاں کیے بغیر پاٹنا ممکن نہیں ہے۔

''وحی'' اور ''غیر وحی'' کے فرق و امتیاز کا مسئلہ فقط پیغمبر علیہ السلام کی ذات تک محدود ہے، آپ ﷺ کی ذات کے علاوہ اور کسی کی ذات و شخصیت میں یہ مسئلہ نہ موجود ہے اور نہ پیدا ہوسکتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ''دین'' اور غیر دین کے فرق و امتیاز کی بنیاد آپ ﷺ کی ذات میں ہی واضح ہوتی ہے، جس کو آپ علیہ السلام نے فرما دیا کہ یہ وحی ہے، وہ ''وحی'' ہے، وہی دین ہے اور جس کو آپ ﷺ نے وحی نہیں فرمایا وہ ''وحی'' نہیں ہے، وہ دین نہیں ہے۔ یہ بات آپ ﷺ کے فرائض منصبی کے شایانِ شان نہیں کہ ''وحی'' کے وحی ہونے کی نسبت خاموش رہیں یا یہ امر امت پر چھوڑ دیں کہ وہ فیصلہ کرتی پھرے کہ آپ ﷺ کی کونسی بات ''وحی'' ہے اور کونسی غیر وحی ہے۔''وحی'' کے ورود و نزول کا امکان غیر نبی میں ممکن نہیں ہے لہٰذا یہ سوال کہ دین کیا ہے اور غیر دین کیا ہے غیر نبی سے متعلق نہیں ہوسکتا۔''دین'' اور ''غیر دین'' کے فرق و امتیاز کا سوال غیر نبی کے فتوے، فیصلے اور انفرادی فکر و اجتہاد سے متعلق اس لیے نہیں ہے کہ وہ ''دین'' بہر حال نہیں ہے۔''دین'' انسان کی انفرادی سوچ سے بنتا ہے اور نہ اجتماعی فکر سے تشکیل پاتا ہے، وہ فقط منزل من اللہ ہے، وہ ''وحی'' ہے، وہ ''علم اللہ'' ہے۔''وحی'' انسان کی اجتماعی سوچ کے مساوی فضیلت نہیں ہے، تمام انسان مل کر بھی وحی شدہ علم کی ایک ''آیت'' کے متوازی قضیہ نہیں بنا سکتے۔انسانی غور و فکر کی کسی نوع کو بھی ''وحی'' کا تسلسل قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ وہ ہوسکتا ہے چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہو۔انفرادی اور اجتماعی تفکر و تدبر کو ''دین'' سمجھنے والے بھول جاتے ہیں کہ ''وحی'' کا تسلسل کاملاً منقطع ہو چکا ہے اور یہ کہ انسانی سوچ بہر حال انسانی سوچ ہے جو نہ ''وحی'' ہے اور نہ وحی کا بدل ہے اور نہ مثل ہے، نہ مساوی ہے اور نہ متوازی ہے۔انسانی سوچ کسی بھی حیثیت میں ''وحی'' نہیں ہے، وہ وحی کا ظل ہے اور نہ بروز و کمون ہے۔غیر وحی کو ''وحی'' کا تسلسل ماننا یا قرار دینا دراصل ختمِ نبوت کا انکار ہے۔

وحی اور غیر وحی کا فرق و امتیاز ہی تو وہ اصل ہے جو الوہی ہدایت کے مقام و منصب کا ادراک عطا کرتی ہے۔مماثل فضائل میں امتیاز کا شعور قائم نہ رہ سکے تو فکر و نظر دائمی مغالطے سے کبھی خارج نہیں ہو

سکتا، وحی اور غیر وحی میں تو ادنیٰ ترین درجے کی مماثلت بھی نہیں پائی جاتی، ان میں اگر فرق و امتیاز کا شعور برقرار نہ رہ سکے تو فکر ونظر ہی نہیں ایمان و عمل بھی دائمی فساد میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ عقل و حواس وغیرہ سے انسان کے شعور کو فہم و ادراک حاصل ہوتا ہے اور "وحی" سے بھی انسان کے شعور کو علم و ادراک میسر آتا ہے۔ اگر انسان کی شعوری اہلیت معطل نہ ہوئی ہو تو وہ ان دونوں ممتاز و منفرد ذرائع سے حاصل ہونے والے علوم میں اس امتیاز و انفرادیت سے کبھی دست کش نہیں ہو سکتا جو انسانی استعداد کے زائیدہ علم اور علم بالوحی کے مابین وجودی شرائط کا حکم رکھتی ہے۔ وحی اور غیر وحی کے مابین فرق و امتیاز کا شعور ان سے حاصل ہونے والے علم کے لیے وجودی شرائط کا حکم رکھتا ہے لہذا جب وہ شعور ہی محو ہو جائے تو ان دونوں طرح کے علوم سے وابستہ انسانی فضائل کا امر واقعہ بن جانا کیونکر متصور ہو سکتا ہے؟ علم بالوحی سے وابستہ الوہی ہدایت الوہی نسبت سے مشروط ہے، اگر الوہی اور غیر الوہی نسبت کی حدود توارد کا شکار ہو جائیں تو اس سے وابستہ الوہی ہدایت کا تحقق و تحصل بھی محال ہو جاتا ہے۔ یہی فساد زدہ ذہنیت ہی ہے جو یہ فرض کرتے ہوئے کسی قسم کا تردد محسوس نہیں کرتی کہ مابعد کے ادوار میں "علم بالوحی" سے وہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے یا نہیں کیے جا سکتے جو خیر القرون میں "علم بالوحی" کی اتباع سے حاصل ہوئے تھے۔

مذہبی ذہن کا التباس جن محرکات کا نتیجہ ہے وہ مذہبی جذبات کے حوالے سے جنم لیتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کی نسبت یہ فیصلہ کہ آپ ﷺ سے کسی ایسے قول، فعل اور تقریر کا صدور محال ہے جو الوہی رضا کے خلاف ہو، یقیناً مبنی برحق ہے۔ اس کا کوئی امکان نہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف کچھ کریں، مگر سوال یہ ہے کیا اللہ تعالیٰ کی رضا کا تعین "وحی" نے کرنا ہے یا آپ ﷺ نے اپنی جانب سے کرنا ہے، آپ ﷺ جس کو اللہ تعالیٰ کی مرضی قرار دینا پسند کریں وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یا رضا متصور ہو گی؟ یعنی آپ ﷺ نے اپنے ادراک ذاتی سے یہ فیصلہ فرمانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا یہ ہے یا وہ ہے یا پھر اس امر کا تعین فقط علم بالوحی سے ممکن ہونا ہے؟ اگر انسان نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی مرضی سے متعین کرنا ہے یا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا تعین انسان کے اپنے بس کی شے ہے تو آخر "وحی" کی ضرورت ہی کیا ہے؟ مذہبی ذہن جس التباس میں یہاں مبتلا ہو جاتا ہے وہ درحقیقت مذہبی جذبات کا غیر فطری اشتعال ہے ورنہ اس دینی مسلمے سے کوئی بھی سلیم الفطرت مسلمان انکار نہیں کر سکتا کہ ہوائے نفس "رضائے الٰہی" نہیں ہے۔ پیغمبر

علیہ السلام اپنے کسی قول، فعل اور پسند و ناپسند کے بارے میں جب فرما دیتے ہیں کہ یہ من جانب اللہ ہے تو اس کے من جانب اللہ ہونے میں لمحے بھر کا تردد ایمان کی نفی ہے، لیکن جس قول، فعل اور پسند و ناپسند کی نسبت آپ ﷺ نے نہیں فرمایا اسے پیغمبر علیہ السلام کے ذاتی غور و خوض کی بنیاد پر ''من جانب اللہ'' ہونے کی سند فراہم کرنا غلط ہے۔ ''علم بالوحی'' میں مقید حقائق کو انسان اپنے ''اجتہاد'' سے فراہم نہیں کرسکتا، ایسا کرنا دراصل ''وحی'' کے مقام و منصب کا استخفاف کرنے کی جسارت کے مترادف ہے۔ رضائے الٰہی تک رسائی کا وسیلہ انسان کے پاس فقط اور فقط ''وحی'' ہے اور کچھ نہیں ہے۔ انسان کی کوئی بھی استعداد اس حقیقت کی نقاب کشائی کی اہل نہیں ہے جسے وحی نے بیان کرنا ہے۔ انسان اپنے قوائے علم و عمل کو جس قدر چاہے تقوے وتزکیے سے نشو ونما دے کر منور کیوں نہ کر لے، وہ اسے الوہیت کے دائرے میں کبھی داخل نہیں کر سکتے۔ الوہی ذات کی خوشنودی اور اس کے حصول کا دروازہ انسان پر فقط اور فقط ''وحی'' کے ذریعے سے کھلتا ہے۔

القاء والہام اور حدس و وجدان وغیرہ میں سے کوئی بھی اس ضرورت یا احتیاج کے ادراک کا اہل نہیں جس کی نشاندہی ''وحی'' کے ذریعے سے انسان کو عطا ہوئی ہے چہ جائیکہ ''وحی'' کی بتائی ہوئی احتیاج کی تکمیل کا تصور القاء والہام اور حدس و وجدان وغیرہ سے کیا جاسکے۔ تجرد وتحنث سے انسان ''وحی'' کے حصول و وصول کا اہل نہیں بن سکتا، ''وحی'' انسان کی کسی جدوجہد کا نتیجہ ہے اور نہ قیمت ہے۔ القاء والہام اور حدس و وجدان وغیرہ ایسے غیر معمولی مظاہر ہیں جو بعض انسانوں میں طبعاً اور بعض میں مشق ومزاولت سے نشو ونما پا لیتے ہیں اور بعض انسانوں میں یہ رجحان یا تو کاملاً معدوم ہوتا ہے یا پھر کالعدم ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے شاعری کا ملکہ ہے۔ معمولی اور غیر معمولی قویٰ کا غیر معمولی حد تک فعال ہونا یا غیر معمولی حد تک خوابیدہ ہونا، ایسی بات نہیں جو انسانوں کا مشترک تجربہ نہ ہو۔ وحی یا نبوت و رسالت انسان کا مشترک تجربہ نہیں ہے اور نہ اسے مشترک تجربہ بنایا جاسکتا ہے۔ ''وحی'' انسان کے معمولی یا غیر معمولی قویٰ کے فعال یا خوابیدہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اور نہ ہی کسی ریاضت ومشقت سے حاصل ہوتی ہے۔ ''وحی'' کی ہستی کا اثبات اس کے متحقق ہو جانے سے قبل ناممکن ہے۔ وحی کا وجود اور وحی کا اثبات اگرچہ دو الگ الگ فضائل ہیں، مگر ایمان میں ''وحی'' کا وجود و اثبات دو قابل تقسیم امور متصور نہیں ہوتے۔ ''علم بالوحی'' سے

جس ایمان بالغیب کا مطالبہ صادر ہوتا ہے وہ خود بھی اسی غائب کے محتویات میں شامل ہے۔ القاء والہام اور حدس و وجدان وغیرہ ''وحی'' سے کوئی مماثلت نہیں رکھتے۔ ''وحی'' کا وجود ایمانی شعور کا مسلمہ ہے جبکہ القاء والہام اور حدس و وجدان وغیرہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق ایمانی شعور کے بجائے شعور کے دیگر پہلوؤں سے ہے۔ شعور ایمانی میں ''علم اللہ'' کے حصول کا داعیہ فقط ''وحی'' کے وسیلے سے تکمیل یافتہ ہوتا ہے اور دیگر وسائل سے سوائے ظن وتخمین اور اوہام و احلام کے کچھ نہیں حاصل ہوتا، چاہے صاحب واردات کیسا ہی پر امید کیوں نہ ہو۔ خوارق کے وجود کا انکار ممکن نہیں مگر ''علم اللہ'' تک رسائی کی سبیل کوئی نہیں ہے۔

القاء والہام اور حدس و وجدان کے وجود کا انکار ممکن نہیں ہے، ان کے حاصلات کی صحت کو ثابت کرنا بھی شاید کوئی غیر معمولی بات نہیں مگر کسی شے کی صحت کا ثبوت اس کے ''الوہی'' ہونے یا ''من اللہ'' ہونے کی دلیل نہیں ہوتا۔ مذکورہ تمام امور اپنی صحت کا جواز اپنے وجود سے باہر خارج میں رکھتے ہیں، ''وحی'' کی صحت کا جواز اس کے وجود سے باہر خارج میں نہیں ہوتا بلکہ وہ محض اس بنیاد پر درست یا صحیح ہوتی ہے کہ وہ ''وحی'' ہے۔ ''غیر وحی'' چاہے وہ معمولی مظاہر ہوں یا غیر معمولی مظاہر ہوں انسان کی انتقادی تحسین کا موضوع بن سکتے ہیں، ان کا جائزہ ممکن ہے، تعمیم کی جاسکتی ہے، تفصیل بتائی جاسکتی ہے، خلاصہ بنایا جاسکتا ہے مگر ''وحی شدہ'' علم کی انتقادی تحسین کا کوئی امکان ہے اور نہ اس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہے۔ اسی طرح اس کی تعمیم و تلخیص کا بھی وہاں کوئی امکان نہیں ہے۔ ''غیر وحی'' انسان کی انفرادی سوچ ہو یا اجتماعی فکر ہو ''وحی'' کے لیے حکم نہیں بن سکتی اس لیے ''وحی شدہ'' علم میں اجتہاد اور اجماع سے ترمیم و اضافہ ممکن نہیں ہے، وحی شدہ علم کو انفرادی اور اجتماعی سوچ سے نہ تفصیل دی جاسکتی ہے اور نہ تعمیم کی جاسکتی ہے۔ عقل وفکر یقیناً اللہ کی دین ہیں مگر وحی شدہ علم پر اسے کوئی اہمیت یا فوقیت حاصل نہیں ہے، ''وحی شدہ علم'' اللہ تعالیٰ کی زیادہ بڑی نعمت ہے۔ نفس انسانی کے تمام قوائے علمیہ بحیثیت ذریعۂ علم نہ صرف ''وحی'' پر کسی نوع کی فوقیت کے حامل نہیں بلکہ کسی اعتبار سے اس پر حکم لگانے کی اہلیت سے بھی محروم ہیں۔

قدامت پسند مذہبی طبقے کے نزدیک مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی سوچ یعنی اجتہاد اور اجماع درجے کے اعتبار سے کم مگر ماہیت کے اعتبار سے اسی طرح کے مأخذِ قانون ہیں جس طرح ''وحی متلو'' اور

''وحی غیر متلو'' ہیں۔ ''وحی'' اور انسانی غور وفکر نہ مبدائے علم کے اعتبار سے ایک طرح کے ذرائع ہیں اور نہ محتویات وغایات کے لحاظ سے ایک نوع کے فضائل ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وحی متلو اور وحی غیر متلو آسمان کی جہت سے جس مقصد کی تکمیل کرتے ہیں، اجماع واجتہاد زمینی جہت سے اسی غایت کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ انسانی غور وفکر اس مقصد کے حصول میں ہی نہیں اس کے ادراک وعرفان میں بھی ناکام ہے جو انسان کو علم بالوحی سے میسر آتا ہے۔ مذہبی ذہن ''دینِ کامل'' کا تصور اجماع واجتہاد کے بغیر نہیں کرسکتا تو اس کی وجہ ''وحی'' اور ''غیر وحی'' کے مابین فرق وامتیاز کے اس شعور کا فنا ہو جانا ہے جو اساس الایمان سے کم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ''وحی'' کو ''غیر وحی'' بنانا یا ''غیر وحی'' کو ''وحی'' فرض کرلینا ایمانی اعتبار سے بالکل ایک ہی درجے کا مغالطہ ہے۔ پیغمبر علیہ السلام پر نازل ہونے والی ''وحی'' پر ایمان رکھنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی دین کو ''غیر وحی'' کی شمولیت سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ جب ''وحی'' اور ''غیر وحی'' میں شعوری یا غیر شعوری توارد شروع ہو جائے یا شروع کردیا جائے تو غیر دین کا ''دین'' متصور ہونا ناممکن نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ مابعدِ رسالت کے ادوار میں ایسے امور کو دین فرض کیا جانے لگا جو دورِ رسالت میں کبھی دین متصور نہیں ہوئے تھے۔ حدیثِ جبریلؑ کو اگر قرآن مجید کا حصہ نہیں بنایا گیا تو کیا یہ اس امر کا واضح ثبوت نہیں کہ فقط وحی متلو اور وحی غیر متلو ہی ایک دوسرے سے ممتاز ومنفرد نہیں بلکہ غیر دین کبھی ''دین'' نہیں بن سکتا۔ انسانی غور وخوض چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی، یہ بات بہرحال طے ہے کہ وہ تقوے وتدین کے زینے سے انسانی حدود سے متجاوز ہوکر ''الوہیت'' میں کبھی داخل نہیں ہوسکتا۔

اجماع اور اجتہاد انسانی غور وخوض کا نام ہے جو اشخاص وادوار کی نسبت سے انسانی حدود سے متجاوز نہیں ہوسکتا۔ اصحاب کرامؓ نبی ﷺ سے ''وحی'' اور غیر وحی کے امتیاز کی نسبت سوال کرنے میں کسی قسم کا تردد نہیں کیا کرتے تھے تو کسی اور کی انفرادی سوچ کو دین فرض کرنا چہ معنی دارد؟ دین اور دین کے تقاضوں کو نظر انداز کرنے یا ان میں ترمیم واضافے کے درپے ہونے سے انسانی غور وفکر جس غلط سمت چل نکلتا ہے اس کا ''مآل'' افتراء علی اللہ الکذب کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ غور وفکر کی اہمیت وافادیت انسانی زندگی میں بالکل عیاں ہے مگر انسانی غور وفکر کی کوئی صورت نہ دین ہے اور نہ اسے دین فرض کیا جاسکتا ہے، چاہے وہ غور وفکر انفرادی ہو یا اجتماعی ہو۔ معاشرے کی اجتماعی ہیئت کے قیام وبقا کے لیے قوانین بنانا

''وحی غیر متلو'' ہیں۔ ''وحی'' اور انسانی غور و فکر نہ مبدائے علم کے اعتبار سے ایک طرح کے ذرائع ہیں اور نہ محتویات و غایات کے لحاظ سے ایک نوع کے فضائل ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وحی متلو اور وحی غیر متلو آسمان کی جہت سے جس مقصد کی تکمیل کرتے ہیں، اجماع و اجتہاد زمینی جہت سے اسی غایت کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ انسانی غور و فکر اس مقصد کے حصول میں ہی نہیں اس کے ادراک و عرفان میں بھی ناکام ہے جو انسان کو علم بالوحی سے میسر آتا ہے۔ مذہبی ذہن ''دین کامل'' کا تصور اجماع و اجتہاد کے بغیر نہیں کر سکتا تو اس کی وجہ ''وحی'' اور ''غیر وحی'' کے مابین فرق و امتیاز کے اس شعور کا فنا ہو جانا ہے جو اساس الایمان سے کم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ''وحی'' کو ''غیر وحی'' بنانا یا ''غیر وحی'' کو ''وحی'' فرض کر لینا ایمانی اعتبار سے بالکل ایک ہی درجے کا مغالطہ ہے۔ پیغمبر علیہ السلام پر نازل ہونے والی ''وحی'' پر ایمان رکھنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی دین کو ''غیر وحی'' کی شمولیت سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ جب ''وحی'' اور ''غیر وحی'' میں شعوری یا غیر شعوری توارد شروع ہو جائے یا شروع کر دیا جائے تو غیر دین کا ''دین'' متصور ہونا ناممکن نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ مابعدِ رسالت کے ادوار میں ایسے امور کو دین فرض کیا جانے لگا جو دورِ رسالت میں کبھی دین متصور نہیں ہوئے تھے۔ حدیثِ جبریلؑ کو اگر قرآن مجید کا حصہ نہیں بنایا گیا تو کیا یہ اس امر کا واضح ثبوت نہیں کہ فقط وحی متلو اور وحی غیر متلو ہی ایک دوسرے سے ممتاز و منفرد نہیں بلکہ غیر دین کبھی ''دین'' نہیں بن سکتا۔ انسانی غور و خوض چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی، یہ بات بہر حال طے ہے کہ وہ تقوے و تدین کے زینے سے انسانی حدود سے متجاوز ہو کر ''الوہیت'' میں کبھی داخل نہیں ہو سکتا۔

اجماع اور اجتہاد انسانی غور و خوض کا نام ہے جو اشخاص و ادوار کی نسبت سے انسانی حدود سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ اصحاب کرامؓ نبی ﷺ سے ''وحی'' اور غیر وحی کے امتیاز کی نسبت سوال کرنے میں کسی قسم کا تردد نہیں کیا کرتے تھے تو کسی اور کی انفرادی سوچ کو دین فرض کرنا چہ معنی دارد؟ دین اور دین کے تقاضوں کو نظر انداز کرنے یا ان میں ترمیم و اضافے کے درپے ہونے سے انسانی غور و فکر جس غلط سمت چل نکلتا ہے اس کا ''مآل'' افتراء علی اللہ الکذب کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ غور و فکر کی اہمیت و افادیت انسانی زندگی میں بالکل عیاں ہے مگر انسانی غور و فکر کی کوئی صورت نہ دین ہے اور نہ اسے دین فرض کیا جا سکتا ہے، چاہے وہ غور و فکر انفرادی ہو یا اجتماعی ہو۔ معاشرے کی اجتماعی ہیئت کے قیام و بقا کے لیے قوانین بنانا

اور انہیں نافذ کرنا انسان کی عمرانی ضرورت ہے۔ نظمِ اجتماعی کا قیام و بقا انسان کی عمرانی احتیاج ہے جسے ماورائی محرک کے تحت لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ''دین'' کی اتباع و تعمیل کا محرک اصلاحِ معاشرہ ہو تو یہ طرزِ عمل نہ صرف یہ کہ ایمانا قابلِ اصلاح ہے بلکہ شعورِ ایمانی کے مزاج سے بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ایمان کا مزاج اللہ تعالیٰ کی بندگی کو قبول کرنے کے علاوہ اور کسی محرک کو جگہ نہیں دیتا۔ دین کی اتباع و تعمیل کے لیے ماحول کو مسخر کرنا، معاند اور مخالف ماحول کو منضبط اور منقاد بنانا مقتضیاتِ دین میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔ اجماع و اجتہاد مسلم معاشرے کے نظمِ اجتماعی کی ضرورت تو ہو سکتے ہیں، ان کو ''دین'' قرار دینا کسی طور سے جائز نہیں ہے۔ بعض انفرادی اور اجتماعی فیصلے نہ صرف اپنے نتائج کے اعتبار سے انسانیت کے لیے تکلیف کا باعث ہوتے ہیں بلکہ ابتدا ہی میں بداہتاً سفلی محرکات پر مبنی ہوتے ہیں اور بالفرض جائز اور ارفع محرکات کا نتیجہ بھی ہوں تو کیا وہ غلط نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکتے؟ انسان کی انفرادی اور اجتماعی سوچ کو الوہیت کبھی میسر نہیں آسکتی چاہے نتائج کے اعتبار سے وہ کاملاً درست ہی کیوں نہ ثابت ہو جائے۔

مشاورت فی الامر کا حکم ہی اس بات کو واضح کرتا ہے کہ نبی ﷺ کا ادراکِ ذاتی معطل تھا اور نہ ارادۂ ذاتی معطل تھا اسی طرح نہ ہی آپ ﷺ کا جذبۂ ذاتی غیر فعال تھا۔ ''وحی'' امر اللہ ہے جس میں نہ انسانی مشاورت کو دخل ہو سکتا ہے نہ ہی ''وحی'' کے لیے انسانی مشاورت کی احتیاج متصور ہو سکتی ہے۔ انسان کے ادراکِ ذاتی میں بہتری کا امکان ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ مشاورت فی الامر کا امکان مدرکاتِ ذہنیہ کے لیے ہوتا ہے، ''وحی'' کے لیے مشاورت فی الامر کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ''امر اللہ'' اور انسان کے امورِ مشاورت میں زمین آسمان کا فرق ہے، اتنا بڑا فرق شعور کے ادراک سے محو ہو جائے تو اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ ذہن اپنے وظیفے کی انجام دہی سے دست کش ہو چکا ہے۔ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ ''امرِ دین'' مشاورت پر مبنی انسانی نتائجِ فکر کا نام نہیں ہے، بلکہ دائماً منزل من اللہ ہوتا ہے۔ ناعاقبت اندیش مذہبی دانش وروں کا یہ موقف حیران کن ہے کہ ''امرِ دین'' مشاورت فی الامر سے طے کیا جاتا ہے یا کیا جا سکتا ہے۔ امرِ دین اپنی حقیقت اور ماہیت میں خالصتاً ''امر اللہ'' یعنی ''وحی'' ہے اور انسان کی اجتماعی اور انفرادی سوچ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمانوں کے مشاورتی امور منکرینِ دین کے مشاورتی امور سے یقیناً مختلف ہوتے ہیں بلکہ ممکن ہے متضاد بھی ہوں مگر اس کا ہرگز

یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کے مشاورتی امور نے ''امر اللہ'' کا درجہ اختیار کر لیا ہے۔ اجماع اور اجتہاد کی ضرورت و مصلحت ''وحی'' کی ضرورت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی، ''وحی'' جس ضرورت کی تکمیل کا باعث ہے اجماع و اجتہاد سے اس ضرورت کو پورا نہیں کیا جا سکتا اور اجماع و اجتہاد جس ضرورت و مصلحت کی تکمیل کا باعث ہیں وہ ''وحی'' کا سببِ نزول نہیں ہے۔ ''دین'' امر اللہ ہے اور اسی میں مقید ہے یعنی فقط وحی شدہ ہے، علم بالوحی ہے، ''علم اللہ'' ہے۔

اجماع مسلمانوں کی اجتماعی اور اجتہاد انفرادی فکر ہے، یہ دونوں مسلم فکر کی جدا جدا صورتیں ہیں، نبی ﷺ کی ''نبوت'' کا تسلسل نہیں ہیں۔ ختمِ نبوت کے بعد ''دینِ اسلام'' کے عقائد و اعمال میں کسی ذریعے سے کمی کی جا سکتی ہے اور نہ اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اجماع و اجتہاد سے تشکیل پانے والے اوامر و نواہی کے واجب التعمیل ہونے کا انحصار مسلم معاشرت کے جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے اصول پر ہے۔ ''نبوت'' مسلم معاشرت کا طفیلی اصول نہیں ہے بلکہ وجودی اصول ہے۔ اجماع و اجتہاد مسلم معاشرت کے وجودی اصول نہیں ہیں بلکہ طفیلی اصول ہیں۔ اگر مسلمانوں کے اجتماعی اور انفرادی فکر کے نتائج سے مسلم معاشرت جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے مفاد سے شادکام نہیں ہوتی تو ان کی جگہ دوسری اجتماعی اور انفرادی فکر آ جاتی ہے۔ ''نبوت'' کا جانشین مسلم معاشرت میں ممکن نہیں ہے، مسلم معاشرت میں ''نبوت'' کا استبدال اس لیے ممکن نہیں ہے کہ وجودی اصول شے کی ہستی کو قائم رکھے ہوتا ہے۔ اجماع و اجتہاد کو عز و مجد کے اعتبار یا واجب التعمیل ہونے کے اعتبار سے ''نبوت'' کا تسلسل خیال کرنا دراصل ایک مغالطہ ہے جو طفیلی اصول کو وجودی اصول بنا لینے سے پیدا ہوا ہے۔ ''نبوت'' وحی متلو اور وحی غیر متلو پر مشتمل ہے، جس میں ختم نبوت کے بعد تسلسل کا کوئی امکان نہیں ہے، چاہے یہ تسلسل عز و مجد کا ہو یا واجب التعمیل ہونے کا ہو۔ فقہی ذہن کا خیال ہے کہ مسلم معاشرت میں فعال قوانین وضع و تشکیل میں اور اتباع و تعمیل میں یکساں نوعیت کے حامل ہیں حالانکہ وحی شدہ احکام فکرِ انسانی سے صادر ہونے والے قوانین سے ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے منفرد و ممتاز ہیں۔ انسان کی اجتماعی اور انفرادی فکر عز و مجد کے لحاظ سے اور وجوب و لزوم کے اعتبار سے ''نبوت'' کے مقام و منصب سے وابستہ عز و مجد اور وجوب و لزوم کو کبھی نہیں چھو سکتی۔ ''نبوت'' کے مقام و منصب سے وابستہ عز و مجد اور وجوب و لزوم کا معیاری شعور پیغمبر علیہ السلام کا شعور ہے،

آپ ﷺ انسان کے اجتماعی اور انفرادی فکر کو منزل من اللہ وحی کے مقابل کیا حیثیت دیتے تھے؟ چاہے یہ انفرادی فکر خود پیغمبر ﷺ ہی کی ہو یا اجتماعی فکر جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ہو، ہم سب جانتے ہیں۔ ''دین'' بہرحال انسانی فکر سے تشکیل پانے والی فضیلت نہیں ہے، یہ کاملاً منزل من اللہ ہے۔ انسانی فکر میں تقدس کا عنصر جس وجہ سے بھی فرض کیا جائے یا پایا جائے وہ اسے نہ ''دین'' بنا سکتا ہے اور نہ اسے ''دین'' میں شامل کر سکتا ہے۔

فقہی ذہن کی غلط فہمی یہ ہے کہ ''دین'' اوامر و نواہی پر مشتمل مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جن مواخذ سے وہ تکمیل دین کو پورا کرنے کے درپے ہے ان کا وجود اس وقت تک سرے سے تھا ہی نہیں جب ''وحی'' کے ذریعے سے تکمیل دین کی نوید سنا دی گئی تھی۔ فقہی ذہن کے نزدیک کتاب و سنت اور اجماع و قیاس تکمیل دین کے منابع ہیں۔ مذہبی ذہن یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ ''دین'' اور ''تکمیل دین'' کے تصور کی تشکیل، انسانی عقل کا وظیفہ ہے اور نہ وہ کر سکتی ہے۔ جب ''وحی'' کے ذریعے سے ''تکمیل دین'' کی بشارت دی گئی تھی ''دین'' اس وقت مکمل ہو گیا تھا۔ ''وحی'' کے وسیلے سے انسان کو جو کچھ آسمان سے ملنا تھا مل گیا تھا، اس میں کوئی کمی نہیں رہ گئی تھی جس کو فقہا نے قیامت تک پورا کرتے رہنا ہے۔ جن مسائل کو فقہ میں مسائل دین فرض کیا گیا ہے وہ مسائل دین نہیں ہیں۔ فقہا نے جن مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے وہ مسلم معاشرت کے ایسے عمرانی مسائل ہیں جو اجتماع کے نفسیاتی یا فرد کے نفسی مسائل ہیں۔ اجتماعی زندگی کا عادی فرد انحصار کی نفسیات کا حامل ہوتا ہے، وہ اپنے اعمال و افعال کی ذمہ داری اجتماعی نظم پر ڈال کر آسودگی محسوس کرتا ہے۔ فقہا نے فرد کی مذکورہ بالا نفسیاتی الجھن کو رفع کرنے کے لیے مسائل کی ایسی ایسی صورتیں بھی فرض کی ہیں جن کا وقوع فقط نفسیاتی اعتبار سے غیر متوازن شخصیت سے ممکن ہے۔ فقہا نے مسائل کو فرض کرنے اور ان کا حل بیان کرنے میں جتنی ذہنی صلاحیتیں صرف کی ہیں ان کا عشر عشیر بھی ''وحی'' اور ''غیر وحی'' کے فرق و امتیاز کو سمجھنے میں لگاتے تو آج کا مذہبی ذہن ''وحی'' اور انسانی غور و فکر میں اتنے بڑے التباس میں گرفتار نہ ہوتا۔ اجماع و قیاس نبی ﷺ کی نبوت کا تسلسل نہیں ہے، انہیں منابع دین میں شامل کرنا سوائے فکری التباس کے اور کچھ نہیں، اسی طرح ذخیرۂ احادیث کو وحی غیر متلو قرار دینا بھی مذکورہ التباس کا نتیجہ ہے۔

یہ امر طے ہے کہ ''وحی'' متلو و غیر متلو کا تعین انسانی غور و فکر سے ممکن نہیں ہے۔ ''وحی'' فقط وہی ہے

جسے نبی ﷺ نے ''وحی'' بتایا ہے۔ کسی بات کے ''وحی'' ہونے یا نہ ہونے کا تعین نہ انسان کی اجتماعی فکر کر سکتی ہے اور نہ انفرادی فکر یہ وظیفہ انجام دے سکتی ہے۔ اجماع و اجتہاد کا یہ موضوع نہیں ہے اور نہ بن سکتا ہے کہ نبی ﷺ کی کونسی بات ''وحی'' ہے اور کونسی بات ''وحی'' نہیں ہے۔ ''الا هل بلغت۔۔۔اللهم فاشهد''، تک جو کچھ آپ ﷺ کی طرف ''وحی'' کیا گیا اس کا کامل ابلاغ ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے ادنیٰ ترین ابہام و ایہام کے بغیر منزل من اللہ ''دین'' کو امت تک پہنچایا اور کامیاب ابلاغ کی شہادت پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔ مابعد کے ادوار میں اگر یہ سوال پیدا ہوا ہے یا کیا گیا ہے کہ ''وحی'' کیا ہے اور کیا نہیں ہے تو یہ سوال ہی غلط ہے، سوال کے جواب کے درپے ہونے کا امکان تو سوال کے درست ہونے پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ سوال اپنی کنہ میں یہ مفروضہ لیے ہوئے ہے کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے ابلاغ میں کوئی کمی و کوتاہی ہوئی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے جس مسئلے کا وجود ''نبوت'' کے ابلاغ میں تشکیک کا منشاء بنے وہ اپنی ماہیت میں نہ صرف غیر اہم ہے بلکہ دین اسلام کی دشمنی میں وضع کیا گیا ہے۔ تمام ''توقیفات'' وحی غیر متلو ہیں اور تمام ''وضعیات'' انسان کا ادراک ذاتی ہیں۔ توقیفات اور وضعیات میں بنیادی فرق ''منزل من اللہ'' ہونے اور نہ ہونے کا ہے۔ توقیفی امور یا توقیفات کا صدور صرف نبیؑ کی ذات سے ہوتا ہے، غیر نبی سے توقیفی امور کا صدور ممکن نہیں ہے، غیر نبی سے فقط وضعی امور صادر ہوتے ہیں۔ نبیؑ کی ذات میں انسانی ادراک معطل نہیں ہوتا اس لیے وضعی امور نبی کی ذات میں موقوف نہیں ہو جاتے، البتہ تمام کے تمام توقیفی امور نبیؑ سے ہی صادر ہوتے ہیں۔ نبی علیہ السلام سے صادر ہونے والے وضعی امور ان کے ادراک ذاتی کا نتیجہ ہیں اور توقیفی امور ''منزل من اللہ'' ہیں۔

''وحی متلو'' جس طرح بغیر کسی ابہام و ایہام کے مابین دفتین ہے بالکل اسی طرح ''وحی غیر متلو'' بغیر کسی ابہام و ایہام کے ''توقیفات'' ہے۔ ''وحی غیر متلو'' نہ الفاظ کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور نہ کتب کی صورت میں مدون ہوئی ہے، وہ خالصتاً ''عمل'' ہے اور عمل ہی کی صورت میں محفوظ ہے۔ کتبِ احادیث میں جو کچھ روایت ہوا ہے وہ ''وحی غیر متلو'' نہیں ہے، مکتوب روایت دراصل ''الوہی عمل'' کا انسانی بیان ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ''وحی غیر متلو'' نہ قابل قرأت متن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور نہ موجود ہے، قابل قرأت متن کی صورت میں فقط ''وحی متلو'' یا کتاب اللہ نازل ہوئی ہے۔

''توقیفات'' قابل قرأت متن کی صورت میں موجود ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں، وہ فقط تعمیل کی ہیئتیں ہیں، جن میں کوئی تبدیلی، ترمیم و اضافے کی صورت میں ممکن نہیں ہے، نہ اجماع سے اور نہ اجتہاد سے۔ نفس الامر اور اس کے بیان میں جس نوع کی مغائرت کا مظاہرہ ''وحی غیر متلو'' اور اس کے بیان سے ہوتا ہے، اس کی مثال مذہبی ادب میں شاید ممکن ہی نہیں ہے۔ ''وحی غیر متلو'' ایک الوہی حقیقت ہے اور اس کا بیان ایک انسانی حقیقت ہے، یہاں نفس الامر اور اس کا بیان ایک دوسرے سے اس قدر ممتاز اور منفرد ہیں جس قدر ''الوہیت'' انسانیت سے اور ''انسانیت'' الوہیت سے ممتاز و منفرد ہے اور ''دین'' غیر دین سے اور ''غیر دین'' دین سے ممتاز و منفرد ہے۔ جس طرح ''دین'' کو غیر دین اور ''غیر دین'' کو دین نہیں بنایا جا سکتا اسی طرح کتبِ احادیث میں درج روایات کو ''وحی غیر متلو'' اور ''وحی غیر متلو'' کو کتب احادیث میں درج ''روایات'' قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انسان ''دین'' کا متبع ہے، ''دین'' کا خالق یا مبدع نہیں ہے۔ ''دین'' منزل من اللہ ہے، انسان کی نظری، اخلاقی، جمالیاتی اور شعوری تخلیق نہیں ہے۔ ''دین'' صرف اور صرف ''علم بالوحی''، وحی متلو اور وحی غیر متلو ہے، یعنی قرآن حکیم اور ''توقیفات'' میں محدود ہے، کتاب و سنت میں مقید ہے، منحصر ہے۔ انسان نے نہ قرآن مجید کو تخلیق کیا ہے اور نہ توقیفات وضع کی ہیں اور نہ ہی اپنے غور و فکر سے قرآن مجید میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ ''توقیفات'' میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ دینِ اسلام مسلمانوں کے ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں پر مبنی فکری، نظری اور علمی کتب میں نہ پہلے تھا اور نہ آئندہ ہو گا۔ احادیث، فقہ، کلام اور شاعری، مصوری وغیرہ پر مشتمل مسلم دانش کی مظہر تمام کتب ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے صرف انسانی غور و فکر کا نتیجہ ہیں اور ''وحی خداوندی'' نہیں ہیں، اس لیے ''دین'' نہیں ہیں۔ اگر کسی کو یہ وہم لاحق ہے کہ انسانی غور و خوض کسی نہ کسی صورت میں یا کسی نہ کسی درجے میں ''وحی'' ہے یا ''وحی'' کی مثل یا بدل ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے غور و فکر کے بارے میں فکر مند ہو۔

''دین'' کے وجود اور قیام و بقا کے لیے جتنی بڑی ضرورت ''علم بالوحی'' کے علیٰ حالہٖ قائم رکھنے سے وابستہ ہے اتنی ہی بڑی ضرورت اسے عقل کی دست درازی سے محفوظ رکھنے سے وابستہ ہے۔ جب یہ بات طے ہے کہ ''دین ''عقل'' پر نہیں ''وحی'' پر مبنی ہے'' تو یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے کہ عقلی مدرکات کا مبدا و منبع چاہے قرآن مجید ہی کیوں نہ ہو ''دین'' نہیں ہوتے۔ ''وحی'' اور ''عقل'' حصولِ علم کے دو

وسائل ہیں، ''وحی'' کے وسیلے سے حاصل ہونے والا علم ''دین'' ہے، عقل کے وسیلے سے حاصل ہونے والا علم ''غیر دین'' ہے۔ علم بالوحی یا ''دین'' کی حدود میں عقل کی مداخلت علم بالوحی کی تشکیل نو اور مماثل قضایا وضع کرنے سے ہوتی ہے۔ عقل ''علم بالوحی'' کی تشکیل نو اس کے ترجمے یا ترجمانی سے کرتی ہے اور جہاں تک مماثل قضایا کا تعلق ہے تو وہ اس وقت سامنے آتا ہے جب عقل اپنے وضع کردہ قضایا میں ''علم بالوحی'' کو خام مواد کے طور پر استعمال کرتی ہے اور یہ فرض کر لیتی ہے کہ ''وحی'' سے وابستہ علمی مفاد بعینہٖ اس کے وضع کردہ قضایا میں منتقل ہو گیا ہے۔ ''علم اللہ'' اور ''انسانی علم'' کی تراکیب نسبتوں کے امتیاز سے عاری ہو کر ''علم'' میں عینیت کی حامل متصور ہونے لگیں تو ''دین'' اور ''غیر دین'' کی حدود میں توارد یا اختلاط واقع ہونا ناممکن نہیں رہتا۔ حدود کا مذکورہ توارد و تزاحم یا اختلاطِ حدود چونکہ خود عقل کا پیدا کردہ ہے اس لیے عقلیت پسند طبائع اسے قائم رکھنے اور اس میں رہنے کو ترجیح دیتی ہیں اور ہر قیمت ادا کرنے کو تیار رہتی ہیں، چاہے وہ قیمت خود ''نفس دین'' ہی کی قربانی کیوں نہ ہو۔ مماثل قضایا پر مبنی متون ''کتاب اللہ'' کے متوازی متون کا وظیفہ انجام دینے لگتے ہیں تو التباس گزیدہ اذہان یہ فرض کرنے میں اپنے آپ کو سو فی صد حق بجانب محسوس کرتے ہیں کہ عقلی بیان میں مذکور ترغیب و تشویق ''علم بالوحی'' میں مذکور خوف و رجاء اور ترغیب و تشویق جیسی ہے۔ حالانکہ علم بالوحی میں مذکور ترغیب و ترہیب نفس الامر کی حقیقت ہے اور عقلی بیان میں مذکور ترغیب و تشویق فرضی اور بے حقیقت شے ہے۔

عقلی مدرکات اور علم بالوحی میں خلط مبحث کا شکار ذہن عام طور پر یہ سوال کرتا ہے کہ ''وحی'' کا ادراک عقل سے ممکن ہوتا ہے، بغیر عقل ''وحی'' سے علمی استفادہ کیونکر ممکن ہے؟ جن مدرکات کو عقلی مدرکات سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ حسی مدرکات سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر حس کا ادراک دوسری حس سے ممتاز اور منفرد ہوتا ہے، آنکھ سے سماعت ممکن نہیں اور کان بصارت کا وظیفہ انجام نہیں دے سکتا و قس علیٰ ذلک فعلل و تفعلل۔ عقل کا ادراک فعال ہو تو جزوی ''کلی'' میں، مرکب ''بسیط'' میں اور حادث ''قدیم'' میں بدل جاتا ہے۔ عقلی ادراک کے فعال ہوتے ہی شعور ایک درجے سے نکل کر دوسرے درجے میں داخل ہو جاتا ہے۔ عقل کے ادراک کی فعالیت کے لیے ''خام مواد'' ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ ''خام مواد'' کبھی حواس فراہم کرتے ہیں اور کبھی متخیلہ فراہم کرتی ہے۔ عقل کے مدرکات کی پہلی نوع ماخوذات،

دوسری مخترعات اور تیسری مبدعات کہلاتی ہے۔ عقل اپنے مدرکات کے لیے ''علم بالوحی'' کو بھی ''خام مواد'' کے طور پر استعمال کرتے ہوئے ماخوذات و مخترعات کو تشکیل دیتی رہتی ہے۔ علم بالوحی سے عقل جن نتائج کو اخذ کرتی یا علم بالوحی سے جن قضایا کا اختراع کرتی ہے، وہ سب کے سب عقلی مدرکات ہی ہوتے ہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے۔ عقلیت پسند ذہن ایسا کرتے ہوئے نہ صرف عقل کے وجودی منصب کو نظر انداز کر دیتا ہے بلکہ ان حاصلات کو ''علم بالوحی'' کا درجہ دینے پر اصرار کرتا ہے۔ محتاط طبائع ایسے عقلی مدرکات کو علم بالوحی کا درجہ دینے پر اصرار کرنے سے گریزاں ہوتی ہیں جن کا خام مواد علم بالوحی سے حاصل کیا گیا ہو مگر ان کے نزدیک اتنی بات یقینی ہے کہ عقل کے دیگر مدرکات کی نسبت علم بالوحی سے ماخوذ مدرکات زیادہ معتبر اور زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ یہ حضرات اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ عقلی مدرکات کا اعتبار و استناد اس خام مواد سے تعلق نہیں رکھتا جس پر ان کی تشکیل ہوتی ہے، ان کے معتبر اور قابل اعتماد ہونے کا معیار کلیت اور بساطت کی تکمیل ہے۔ عقلی اعتبار سے جو تصور جس قدر زیادہ کلی اور بسیط ہے اتنا زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے۔

انسان کا ادراک ذاتی حسی ہو، عقلی ہو یا وجدانی ہو، ''علم بالوحی'' سے کوئی نسبت و تعلق نہیں رکھتا۔ انسان کا حسی، عقلی اور وجدانی فہم و فراست اور ذوق و ادراک جن حدود میں ''لاریب فیہ'' اور ''اتمام یافتہ خبر'' ہونے کی صفت سے موصوف ہوتا ہے، ان حدود میں ''وحی'' کہیں نہیں آتی۔ علم بالوحی یا ''علم اللہ'' دائماً ''لاریب فیہ'' اور دائماً ''اتمام یافتہ خبر'' کی صفت سے موصوف ہے۔ انسانی علم کا یہ مقام و منصب نہیں ہے کہ وہ ''علم اللہ'' کو درست ہونے یا نہ ہونے کی سند دے سکے یعنی ''علم اللہ'' کی صحت کا معیار انسانی عقل و علم نہ ہے اور نہ بن سکتا ہے۔ عقلی مدرکات کی صحت کا معیار عقلی ہو یا غیر عقلی ہر دو صورت ممکن الوقوع ہیں، عقلی ادراک کی صحت حواس سے نہ صرف ممکن ہے بلکہ بسا اوقات ناگزیر ہوتی ہے، اسی طرح معیاری علوم میں عقلی ادراک ہی اپنے مدرکات کی صحت کا معیار ہوتا ہے۔ ''علم بالوحی'' کی صحت کا معیار ''غیر وحی'' کبھی نہیں بن سکتی۔ ''وحی متلو'' یا ''وحی غیر متلو'' ایک ایسا الوہی مظہر ہے، جس کے سامنے انسانی عقل کے پاس سرنگوں ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ ''وحی'' کے حضور عقل سرِ تسلیم خم کرنے کے بجائے ''قاسط'' بن کر یعنی ترازو لے کر کھڑی ہو جائے تو یہ ایک ایسا ''عمل'' ہے جو اس کی اوقات سے بہت باہر

کی ''شے'' ہے۔ عقل کا ''اتمام یافتہ'' اور ''لاریب'' ادراک بھی اسے ''وحی'' کے لیے ''قاسط'' نہیں بنا سکتا۔ عقل انسانی نے ''وحی'' کو حق ہونے کی سند فقط اسی صورت میں دینی ہوتی ہے جب اپنے آپ کو قاسط کی حیثیت سے دیکھنا شروع کرتی ہے۔ عقل ہر اس شے کے لیے قاسط بن سکتی ہے یا ہوسکتی ہے جو اس کے ادراک کا موضوع بننے کی اہل ہو لیکن وحی اور علم بالوحی ان حدود میں شامل نہیں ہیں جن میں ''عقل'' کا قاسط، عادل اور منصف ہونا جائز ہے یا ممکن ہے۔

عقل کا وظیفہ ''اجتہاد'' ہے، ''وحی'' اجتہاد کا موضوع نہیں ہے۔ کسی امر کے ''وحی'' ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اجتہاد سے نہیں کیا جا سکتا۔ اجتہاد انسانی غور وفکر کا نام ہے اور ''وحی'' انسانی غور وفکر سے تشکیل پاتی ہے اور نہ متعین ہوتی ہے۔ اجتہاد کا وظیفہ ''وحی'' کی وضع وتشکیل ہے اور نہ تبیین وتعیین ہے۔ اجتہاد کا کام غیر وحی شدہ امور میں عمل کی جائز اور مفید صورت وضع کرنا ہے۔ روایت پسند مذہبی طبقہ اجتہاد کی مذکورہ بالا تحدید کا انکار نہیں کر سکتا تاہم ''اجتہاد'' سے ایسا کچھ حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہے جو اس کا کبھی وظیفہ نہیں رہا۔ فقہی اجتہاد اخبار وآثار کی بنیاد پر مبنی ہو یا استدلال واستشہاد کی اساس پر قائم ہو ہر دو صورت میں وہ انسان کا ادراکِ ذاتی ہی ہے، ''وحی'' نہیں ہے۔ انسان کا ادراک ذاتی کفر وایمان کی اساس نہیں بن سکتا اور نہ کفر وایمان کا فیصلہ اس بنیاد پر کیا جا سکتا ہے۔ اخبار وآثار پر فقہی اجتہاد کی بنیاد رکھنے والے حضرات ایک جانب ''احادیث نبویہ'' کے ''وحی غیر متلو'' ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور دوسری جانب ''اجتہاد'' کے ذریعے سے ان کی تصحیح، تحسین اور تضعیف بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ وحی خداوندی کا تعین ''اجتہاد'' سے کرنا ممکن ہے۔ یہ حضرات اس بات پر توجہ دینے کو تیار نظر نہیں آتے کہ ''وحی'' کا تعین اجتہاد سے کبھی نہیں کیا جا سکتا۔ درایت چاہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے عقل کی معراج پر ہی کیوں نہ فائز ہو، وحی خداوندی پر حکم نہیں بن سکتی۔ پیغمبر علیہ التحیۃ والسلام کے تمام اعمال وافعال اور پسند وناپسند کو ''وحی'' فقط اسی وقت کہنا ممکن ہے جب آپ ﷺ کا ادراک ذاتی، ارادہ ذاتی اور جذبہ ذاتی کاملاً معطل ہو چکے ہوں اور آپ ﷺ کے اعمال وافعال اور جذبات وعواطف انسانی ارادے پر مبنی ہونے کے بجائے منزل من اللہ ہدایت کا نتیجہ متصور ہوں، یہ ایک ایسا موقف ہے جو عقلاً محال اور نقلاً ثابت نہیں ہے۔ اگر آپ ﷺ نے اپنے اعمال وافعال کو ''وحی'' نہیں قرار دیا تو عقل انسانی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ آپ ﷺ کے

اعمال و افعال انسانی اعمال و افعال ہونے کے بجائے متعین من اللہ یا مبنی بر وحی ہیں۔ عقل کا یہ وظیفہ عقلاً جائز ہے اور نہ دینی اعتبار سے قابل قبول ہے۔ پیغمبر علیہ التحیۃ والسلام کی جانب کسی بات کے ''وحی'' ہونے کا حکم صادر کرنا اور پھر یہ فیصلہ سنانا کہ یہ ''صحیح'' ہے اور وہ ''حسن'' ہے اور یہ ''ضعیف'' ہے، انسان کے انفرادی فکر کا اپنی حدود سے متجاوز ہونا اور مذہبی ذمہ داری سے دست کش ہونے کے مترادف ہے۔

اجتماعی فکر یا اجماع کی نسبت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، کہ وہ بھی انسانی فکر ہی ہے اور اجتماعی ہونے کی بنیاد پر وہ ''وحی'' کی مثل ہے اور نہ وحی کا بدل بن سکتا ہے۔ صحیحین کی نسبت عامۃ الناس کا اجتماعی خیال ہے کہ وہ ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہیں، یہ ایک ''اجماع'' ہے۔ اس سے ان کتب کے مندرجات کے بارے میں یہ اعتماد پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ مبنی بر صدق ہیں، مگر کیا انسانی فکر کے مبنی بر صدق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ منزل من اللہ ''وحی'' ہے؟ یا ''وحی'' انسانی عقل کے متوازی ایک مستقل وسیلہ علم ہے؟ ایک ایسا وسیلہ علم جس میں انسانی فکر ادنیٰ ترین مداخلت کا مجاز نہیں ہے۔ اگر ''وحی'' ایک مستقل وسیلہ علم ہے اور اس سے حاصل ہونے والے ''علم'' میں انسانی غور و فکر کی مداخلت محال ہے، چاہے وہ غور و فکر اس ذات کا ہی کیوں نہ ہو جس پر ''وحی'' نازل ہوئی ہے تو وحی متلو کو جس طرح وحی غیر متلو سے ممتاز رکھا گیا ہے اسی طرح دینی دانش کے وارثین کا فرض ہے کہ وہ انسان کے ادراک ذاتی اور منزل من اللہ وحی میں توارد کے امکانات کو پوری علمی دیانت کے ساتھ سمجھنے اور اس التباس سے امت کو نکالنے کی سعی کریں۔

اجماع و اجتہاد کی حیثیت اور اہمیت ہر عمرانی ہیئت میں ناقابل انکار و احتراز فضیلت کی ہے۔ ''علم بالوحی'' کے حامل معاشرے کا امتیازی وصف ''وحی'' ہے اور ''علم بالوحی'' کا امتیازی وصف یہ ہے کہ مسلم ہیئت اجتماعی میں اعلیٰ ترین فضیلت ہے، دیگر تمام فضائل اس کے خدمت گار متصور ہوتے ہیں۔ عمرانی ہیئت میں واقع ہونے والے مسائل اور ان کا حل ہر معاشرے میں اجماع و اجتہاد سے ممکن ہو تو اجماع و اجتہاد سے حل تلاش کیا جاتا ہے۔ اجماع و اجتہاد ہر معاشرے میں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتا ہے۔ اجماع و اجتہاد انسانی فضائل ہیں انہیں ''وحی'' یا وحی کا تسلسل فرض کرنا ''دین اسلام'' نہیں ہے۔ ایسے تصورات دین کی خدمت کے بجائے اس کی بیخ کنی کے لیے وضع کیے جاتے ہیں۔ توقیفات ہی ''وحی

غیر متلو' ہیں تو آپ ﷺ کے تمام اعمال وافعال اور جذبات وعواطف کبھی توقیفی امور متصور نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ توقیفی امور کے علاوہ آپ ﷺ کے تمام اعمال وافعال کو مطلقاً ''وحی غیر متلو' قرار دینا ''دین'' میں ایک ایسا رخنہ ہے جو اس فتنے سے کسی طرح کم نہیں جس میں توقیفی امور کو بھی نبی ﷺ کا ''ادراک ذاتی'' فرض کیا گیا ہے۔

بعض مسلم دانشوروں کا خیال ہے کہ ''دین'' تو کتاب وسنت میں ہی محدود ومقید ہے مگر ''سنت'' سے مراد قریش میں موجود ''ابراہیمی روایت'' ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ''سنت'' کی روایت تو پہلے سے موجود تھی نبی ﷺ نے قریش کی اس مذہبی روایت میں اپنے غوروفکر سے یا ذاتی اجتہاد سے اصلی اور درست ''روایت'' کا انتخاب فرمایا ہے جو ''سنت'' کے نام سے متعارف ہے۔ یہ حضرات اس امر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ ''دین'' انسانی غوروفکر سے وجود میں نہیں آتا بلکہ دین فقط منزل من اللہ ہے۔ ابراہیمی روایت میں بعض باتوں میں ترمیم واضافہ اور بعض امور کو ترک کرنا نبی ﷺ کا ذاتی اجتہاد نہیں ہے۔ یہ وحی خداوندی ہی تھی جس نے ''دین'' کی حدود متعین کی ہیں، انسان کا غوروفکر بہت ارفع واعلیٰ ہوسکتا ہے مگر وہ ''وحی'' کا درجہ کبھی اختیار نہیں کرسکتا اس لیے وہ دین کبھی نہیں بن سکتا۔ جو امور بطور ''دین'' ملت اسلامیہ میں محفوظ ہیں ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو نبی ﷺ پر وحی نہ ہوئی ہو۔ وحی غیر متلو کی صورت توقیفات میں محفوظ ہے اور وحی متلو کی صورت مابین دفتین میں محفوظ ہے۔ انسان کا غوروفکر اور شے ہے اور وحی خداوندی بالکل مختلف شے ہے۔ اگر ''دین'' کسی مرحلے میں بھی انسانی فہم وادراک سے ممکن ہوتا تو صاحب الرسالۃ علی صاحبہا التحیۃ و السلام کا فہم وادراک اس کا زیادہ مستحق تھا، لیکن جب منزل من اللہ وحی اور ذاتی ادراک کا فرق وامتیاز پوری قوت کے ساتھ آپ ﷺ کی ذات شریفہ میں سب سے پہلے عیاں ہوا ہے تو فقط سوءِ فہم یا قلتِ تدبر سے ''دین' اور غیر دین میں فرق وامتیاز کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے وگرنہ ابلاغ دین میں کوئی کمی نہیں رہی۔

یہ وحی متلو اور وحی غیر متلو یا کتاب وسنت ہے جو اصل دین اور فرع دین ہیں۔ وحی غیر متلو، فقط ''سنت'' یا عمل ہے جو توقیفات کہلاتا ہے۔ نماز کی ہیئت وحی غیر متلو ہے، سنت ہے، توقیفی امر ہے۔ نبی علیہ السلام کا ادراک ذاتی نہیں ہے، قبلہ رخ ہو کر تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک پوری ہیئت صلوٰۃ

''سنت'' ہے، وحی غیر متلو ہے، توقیفی امر ہے، تمام توقیفی امور اسی طرح سے وحی غیر متلو ہیں اور سنت ہیں۔

''سنت'' کا جو مفہوم کتب فقہ میں استعمال ہوا ہے اس مفہوم سے بہت مختلف ہے جو اس لفظ کے اصطلاح دینی ہونے سے وابستہ ہے۔ فقہا نے ''سنت'' کو فقہی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے جو فرض یا واجب سے مطالبہ تعمیل میں کم درجے کا حامل مطالبہ ہے مگر مباح سے ایک درجہ بلند یا زیادہ مؤکد مطالبہ تعمیل ہے۔ سنت کا مدلول بطور اصطلاح دینی وہ اعمال و افعال ہیں جو منزل من اللہ ہیں اور نبی علیہ السلام کے ذاتی یا شخصی اعمال و افعال نہیں ہیں۔ ''**فانی قد ترکت فیکم ما ان اخذتم به لن تضلو بعده، کتاب الله و سنة نبیه**'' کتاب اللہ اور سنتِ نبی اللہ دو الگ الگ ماخذِ دین نہیں ہیں بلکہ ''دین'' کتاب اللہ اور سنت نبی اللہ کا نام ہے۔ کتاب اللہ اور سنت نبی اللہ کے علاوہ ''دین'' کسی شے کا نام نہیں ہے۔ ''سنت'' مطالبات دین میں کسی کم تر درجے کے مطالبے کا نام نہیں جیسا کہ فقہ کی کتاب میں درج ہے بلکہ کتاب اللہ میں واقع احکام دین کی مبنی بر وحی تعمیلی ہیئت کا نام ''سنت'' ہے، جسے وحی غیر متلو بھی کہا جاتا ہے اور توقیفی امور کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

مسلم معاشرے میں نبی ﷺ کے اعمال و افعال، عادات و اطوار اور خصائل و شمائل میں امت کے لیے کشش اور رغبت کا پایا جانا بالکل فطری ہے۔ فقہا نے اس فطری داعیے کو قانونی رنگ میں پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی تو اسے ایک نظم میں پیش کرنے کے سوا چارہ نہیں تھا جس کے نتیجے میں ''سنت'' اپنے دینی مفہوم سے خارج ہو کر ایک قانونی اصطلاح بن گئی۔ جذباتی تعلق میں قانونی رنگ پیدا ہونے کا نقصان یہ ہے کہ جذبے پر ارادہ غالب آنا شروع ہو جاتا ہے، انسان ہر ہر معاملے میں جواز اور عدم جواز کے چکر میں پڑ کر عمل کی روح سے دور ہو جاتا ہے۔ انسان کا فطری طرز احساس بناوٹی طرز عمل کی صورت اختیار نہیں کر سکتا بالکل اسی طرح جیسے بناوٹی طرز عمل فطری طرز احساس کو کبھی جنم نہیں دے سکتا۔ پیغمبر علیہ السلام سے مسلمان کا تعلق جس قدر قانونی نوعیت اختیار کرتا جاتا ہے اسی قدر اس کا طرز عمل مسلم معاشرت میں بیگانگی کا باعث بنتا ہے۔ نبی علیہ السلام سے مسلمان کی جذباتی وابستگی شعوری فیصلہ نہیں بلکہ ایمانی تقاضا ہے جسے کسی طرح غیر اہم نہیں سمجھنا چاہیے۔ نبی ﷺ کے حلیے مبارک کی تعظیم، آپ ﷺ کے عادات شریفہ کا لحاظ، آپ ﷺ کی عبادات میں پیروی کا ذوق چاہے غلو کے کسی درجے پر کیوں نہ ہو، مسلم معاشرت

میں پسندیدہ ہی متصور ہوتا چلا آیا ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ کا طرز عمل صحابہؓ میں کبھی ناپسندیدہ نہیں سمجھا گیا اور ہمیشہ پسندیدہ متصور ہوتا رہا ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ کا طرزِ عمل ہمیشہ خصائل و شمائل نبی ﷺ کا حوالہ بنا ہے اور سنت نبی اللہ کا حوالہ کبھی نہیں بنا۔ نبی اللہ کی سنت نبی کے ارادہ ذاتی کا مظہر نہیں ہوتی، ہمیشہ منزل من اللہ ''وحی'' ہوتی ہے۔ ''سنت'' کے لفظ کا فقہی معنی میں استعمال خیر القرون میں متعارف ہی نہیں تھا۔ خیر القرون میں خلافِ سنت عمل کا تصور اس لیے ممکن نہیں تھا کہ اسے ''دین'' میں فساد نہیں بلکہ کامل انحراف سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی صاحب ایمان ''توقیفات'' میں شعوری یا غیر شعوری جیسے نماز کی رکعتوں میں کمی بیشی کا مرتکب ہوتا تو اسے اگر مخبوط الحواس نہ سمجھا جاتا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج متصور ہوتا۔ کتاب اللہ کی جو اہمیت ہے وہی سنتِ نبی اللہ کی اہمیت ہے اس لیے کہ سنت نبی اللہ ''سنت اللہ'' کا غیر نہیں بلکہ عین ہے۔ سنت اللہ ہی سنت رسول اللہ ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مصنف کے دیگر مقالات

❁ سلسلہ فصل المقال

۱۔ وحی متلو و غیر متلو اور انسان کا ادراکِ ذاتی

۲۔ سنت اور بدعت

۳۔ مختارات الٰہیہ کے انسانی متبادلات

۴۔ دین اور تصوف

۵۔ نکاح، طلاق اور حلالہ

۶۔ بیع و رِبا یا نفع اور سود

❁ تصانیف

1۔ منہاج الفرقان، بین علم اللہ و علم الانسان

2۔ علم تفسیر: تنقید و تنقیح